

**THE BOOK WAS
DRENCHED**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU 188588

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۳۵!

Accession No. ۳۳۵۹

Author نورجهان

سیرت و تربیت

Title

سیرت و تربیت نورجهان

This book should be returned on or before the date last marked below.



رسالہ

سوانح نوریہاں بادشاہ سیکم

جو مختلف و متعدد تاریخی تذکروں سے انتخاب کر کے تالیف کیا گیا

مولفہ

محقق بالکمال ناظم و ناشر میثال مولوی شیدہ ابراہیم صاحبہ نقادی
سابق پرس رپورٹر و حال مہتمم دفتر تعمیرات شہور بہ پوٹ لاریٹ حیدر آباد دکن
مصنف - اعجاز سخن، تحفہ درویش + رسالہ موسوم بہ اردو کا صحیح استعمال + صد پارہ نقل و نقل

حسب فرمایش

راجہ تیجراے بہادر دام اقبالہ

مطبع طہیر کن واقع محلہ گلباغ نزدیکی حیدر آباد دکن چھپا

۱۳۱۰ھ

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شام کا وقت ہے۔ سورج کا آؤ پانیہ تو غروب ہو چکا ہے اور آدھا ہی ڈوبنے والا ہے۔
 مغرب کے : یوان میں ایک آگ سی لگی ہوئی ہے۔ شرق کے سمت سیاہی پھیل رہی ہے۔
 تاریکی آمیز ہلکی ہلکی زرد روشنی کچھ عجیب لطف دے رہی ہے۔ قدرت نے چاروں طرف
 فرش زمردین بچھا دیا ہے۔ زمین بارش کی وجہ سے نم آؤ دے۔ اس سبزہ زار میں کہیں کہیں
 سُرخ و زرد پھول بھی کھلے ہوئے ہیں جنکی بہار آنکھوں میں کہیں جاتی ہے۔ عالم میں ایک سہانا سا
 جلوہ گر ہے۔ خنک ہوا چل رہی ہے۔ سنبھل دریا کی سرسبزی ابلہا کر آنکھوں کو طراوت بخش رہی ہے۔
 طیور کے لئے اپنے اپنے آشیانوں میں بسیرا کیے کا وقت آگیا ہے۔ کہیں کہیں کوئی خوش رنگ
 پرندہ خوشی سے چہچہا کر پرواز کرتا ہے۔ کوئی ایک شاخ سے اوڑھ کر دوسری شاخ پر ایک
 پودے پر سے دوسرے پودے پر جا بیٹھتا ہے۔ رخ بدل بدل کر تھرک رہا ہے۔ پھونکنے
 اور دھم کو بار بار جنبش دے رہا ہے اور فضا میں دو ایک چکر لگا کر جہان سے اوڑھتا ہوا
 زمین آبیٹھتا ہے۔ اب شام کی سیاہی تمام عالم میں پھیل گئی اب نظر تھوڑی دور جاتی
 کہ تاریکی اوسکو دین اور جلالیت ہے۔

کوہستانی سلسلہ پر بھی اس غضب کی گہری اندھیری ڈٹی ہوئی ہے کہ بالکل دھواں دار
 عالم کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ دریا کے سسل بہرہ میں تار و ٹکڑے جگمگا کر کچھ یونین
 اوجھلا پیدا کر دیتا ہے جو بار بار قوت باصرہ میں جکا چوند لگا کر فوراً مٹ جاتا ہے۔ اب فتنہ
 سیاہی شب کی پہلے لگی اور پہلی رات کا پر ہول سناٹا مالگیر ہو رہا ہے۔ چوبانی ہوا کے
 پریشان جھونکے دل کو خود بخود پشمر دے دیتے ہیں۔ دنیا میں گہنا ٹوپ اندھیری پردہ عالم

اسنڈ اسنڈ کپجائی جاتی ہے۔ کوئی آوارہ وطن سافر قدرت کی دہوان و مار عجائبات پر غور کی نظر ڈالتا ہو
راہ روی میں سرگرم ہے۔ گلاب مالگیر تاریکی نے قوتِ باصروے رستے کو بالکل پوشیدہ کر دیا۔
اگر اس وقت کوئی چیز نظر آتی ہے تو آسمان پر کوئی کوئی تار ہے جو جگہ گاہ کریدہ غولِ بیابانی کا دھوکا
دے رہا ہے یا کہیں دور کسی کہیت کی مینڈ پر کسی دہقان کی جلائی ہوئی آگ کا شعلہ بار بار گشتا بڑھتا
نظر آتا ہے۔

آخر ہزار مصیبت نمونہ سبجانِ صبح لینے کی طور کی چہکاکان میں آئی۔ مشرق کے پر نور ایوان سے
ابر سیاہ کا پردہ سٹھنے لگا۔ بیابان کے اونچے اونچے گنجان درخت دھندلے دھندلے نظر آنے
چوبانی ہوا کے بادلوں کو اوڑا کر لیجانے سے صبح کے باقی ماندہ تارے ہی پسپائی روشنی کے
ساتھ آسمان پر جھلکانے لگے جو ابھی طلوع آفتاب کے بعد غیب ہو جانے والے ہیں۔ غرض
یہ وہی وقت ہے جسکو نور کا رکاز کا کہتے ہیں۔

سانے ایک چوٹی ہی آبادی ہے۔ جہاں ایک مختصر امرائی رہی ہے۔ بس صبح کے ہوتے
ہوتے رات کی مصیبتوں سے نجات پا کر ایک تاجر و نچا قافلہ سجد کے متصل امرائی میں اتر پڑا اس
قافلہ کا اترنا تھا کہ سورج کی نازک کرین مشرق کے جہر وکے سے مہنہ نکالو دافریب ادا کے
ساتھ ہرے ہرے کہیوتوں کے سر سبز پتیوں پر نرم و گون قطر ہائے شبنم کے ساتھ بکھلا شستیا
ہم آغوشی کا لطف حاصل کرنے لگیں۔ یہی قافلہ جسکی دم صبح امرائی میں مقام کرنے کا ذکر ہم نے
ابھی کیا ہے۔ جب قندھار کے قریب پہونچا تو ہمارے قصہ کی بیرونی نور جہان بیگم
پیدا ہوئی تھی۔ اب تفصیلاً سنئے کہ نور جہان کا باپ کون تھا یہ شخص طہران کے نامور۔

لوگوں میں سے تھا۔ مرزا غیاث بیگ نام یہ ایران کے ایک عہدہ دار بادشاہی خواجہ محمد شریف
فرزند ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شاہ طہماپ کے عہد میں خراسان کا حاکم رہا تھا۔ پہر سرکار کا
باقیدار ہو گیا۔ حوادثِ زمانہ اور روزگار کی نیرنگیوں نے اسکو اس قدر مجبور کیا اور ایسا تباہ
ہوا کہ آخر اسکو اپنا پیارا وطن چھوڑنا پڑا۔ ترک وطن کر کے اپنی بی بی و اولاد کیوں۔ اور ایک

لڑکے کو جکانام ابوالحسن تھا ساتھ لیکر اوسی قافلہ کے ہمراہ ہو گیا جو ہندوستان کو آ رہا تھا راستے میں جو کچھ اوسکا مال اسباب تھا وہ بھی اتفاق سے سب کا سب لٹ گیا۔ اب یہ پکا تلاش بنگیا صرف سواری اور بار برداری کے دواونٹ اسکے پاس رہ گئے جنہر یہ اور اس کے متعلقین سوار تھے چونکہ مرزا غیاث بیگ کی بی بی اس سفر میں حاملہ تھی لہذا اسکی حد درجہ احتیاط کیجاتی تھی۔ ایک تو غربت کا عالم دوسری افلاس و پریشانی اور اقسام کے رنج و تعب گویا اس خاندان کے ہمدھم تھے۔ پس ایسی حالت میں جنگل میں ایک لڑکی کا پیدا ہونا بالکل نامبارک سمجھا گیا۔ محلوں کے رہنے والے مانبا کے ساری رات جنگل میں روکے ہوئے گاٹی حالانکہ یہ خیال اونکا غلط بلکہ سرتاپا غلط تھا۔ کبختوں نے فرط تعب و شقت کی وجہ سے یہ نہ سمجھا کہ بیٹی روٹی کی مثل مشہور ہے اسی نومو لو د کے باعث از سر نو بے انتہا دولت و شہت اس خاندان کی مونس و ہمدھم ہونے والی اور یہی ہونہار لڑکی ایک دن گلستانہ کا گل سرسب اور نام آور ان ہند میں محبوب ہونیوالی ہے شہرت اور لیاقت کا ڈنکا بجانے والی بلکہ ہند کی شہنشاہی کی باگ اپنے ماتھے میں لینے والی ہے۔ سچ ہے کہ خدائی باتیں خدا ہی جانے۔ ہر چند کہ اولاد کی مانتا اور آتما کی آنچ گو دے اتارنے نہ دیتی تھی۔ مگر یہ معلوم کبخت افلاس اور تنگ دستی نے کس قدر مجبور کیا ہو گا کہ کچھ بن نہ آئی تو بیچارے مجبور والدین کو بجز اس کے کوئی اور تدبیر نہ سوجھی کہ اونہوں نے دلپر جبر اور خدا تعالیٰ پر بہر و سا کر کے اس کلیجے کے ٹکڑے کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اوسی قافلہ میں ڈال دیا۔ اور روتے چلے ایک رات کی نہنی سی جان جنگل میں پڑی روٹی تھی۔ تھک جاتی تو ماتھے چوسنے لگتی۔ مگر قسمت سر مانے کھڑے بنستی تھی۔ کہ جلدی نہ کر۔ جس محل میں تھک کر ہٹا کر بٹھانا ہے وہ ابھی تعمیر نہیں ہوا۔ جب قافلہ منزل سے برخاست کر کے چلے لگا۔ لوگ اپنی اپنی بھولی بہشکی چیزوں کی جستجو کرنے لگے تو اس قافلہ کے قافلہ سالار ملک مسعود کے نوکر نے اس لڑکی کے رونے کی آواز سنی تو اس صبح کے تارک کو جھٹ دامن میں اوٹھالیا۔ ملک مسعود نے

پوچھا کہ یہ کس کا بچہ ہے؟ نوکر نے ساری کیفیت بیان کی۔ چونکہ قافلہ سالار لاؤد تھا۔ خدا نے اس کے دل میں رحم ڈالا۔ اور وہ اس کو خدا داد نعمت سمجھ کر گود میں لے کر منزل پر آیا۔ چونکہ ایران کے قافلہ داروں میں عورتیں کم رہا کرتی تھیں اس لئے اس کو دایہ کے لئے بڑی فکر میں رہا ہوئی کہ اس جنگل میں کیا بان میں دو دھڑ کہاں ملے۔ اور دایہ کی تلاش ہونے لگی تو اسی لڑکی کا مان کو خدا استمالی نے آنا بنا کر بھیج دیا۔ اور کوئی عورت سو اس کے اس قافلہ میں نہ ملی جو دودھ پلانے کے قابل ہو۔ گویا یہ پہلا زینہ اس خاندان کی سر بلندی و ترقی کا تھا کہ یہ دایہ گوری کی خدمت کے لئے نہایت خواہش اور احترام کے ساتھ طلب کی گئی۔ اس کے تمام ہمارے بیوں کے لئے سواری بار برداری اور خورد و نوش کے بند و بست کئے گئے۔ اور پھر آئندہ کے لئے عنایات و نوازش ہائے فراوان اور الطاف کریمانہ کے وعدوں کے ساتھ وہ لڑکی پرورش و حفاظت کی غرض سے دایہ کے سپرد کر دی گئی۔ قربان اس کی شانِ رزاقیت کے۔

یہ ہونہار لڑکی شدہ شدہ جوان ہو گئی اور ملک مسعود کو معلوم ہی ہو گیا کہ یہ دایہ نہیں بلکہ خود اس کی حقیقی مادر ہر بان ہے۔ ملک مسعود قافلہ سالار شہنشاہ اکبر کا ایک ذی وقت و داری تاجر تھا۔ اس کی عادت یہ تھی کہ جب یہ ایران آتا تو کوئی نہ کوئی تحفہ شہنشاہ کی خدمت میں پیش کرتا۔

اس موقع پر بھی جب کہ وہ ہندوستان پہونچا اور حاضر دربار ہوا۔ تو حسب معمول عمدہ عمدہ تحفے گزرائے شہنشاہ اکبر نے تعظیف کے طور پر کہا کہ مرزا اب کے تم کوئی عمدہ تحفہ نہیں لانا ملک مسعود نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ جہاں پناہ ہم غریبوں کے پاس ایسے تحفے کہاں آئے گئے جو بادشاہوں کے پسند کے لائق ہوں۔ صرف حضرت کا پسند فرمانا ہی اونکو بے بہا اور انمول بنا دیتا ہے۔ مگر البتہ اس دفعہ یہ غلام دو جاندار چلتے پھرتے جو اسے آبدار لے آیا ہے۔ اگر تسلیم و تربیت کی جلا ان پر ہو جاوے تو البتہ بے مثل و لا جواب ہوں گے۔ اکبر نے پوچھا کہ کیا تم کو یہ معلوم ہے کہ یہ کس کے تحفے ہیں۔

ملک مسود نے فوراً مرزا غیاث بیگ اور اس کے بیٹے ابوالحسن کو شہنشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا اور یہ ہر دو آداب شاہی بجا لاکر نہایت تودب لرزان و ترسان روبرو کھڑے رہے۔ اکبر نے ان کے سراپا کو غور سے ایک بار دیکھ لیا اور پھر مراحم خسروانہ سے سرفرازہ کو کے زمرہ ملازمین میں عزت بخشی ایک دن اکبر نے ملک مسود سے کہا کہ مسود معلوم ہوتا ہے کہ تیرے پیش کردہ شخص کسی عمدہ انگشتری کے بآب و تاب لگنے میں مسود نے ہاتھ جوڑ کر شہنشاہ کے قیافہ شاہی کی تعریف کی عرض کیا کہ غلام کا کیا مقدور ہے کہ سرکار جہان پناہ کا نکلواڑ کہلا کے ایسی ویسی چیز سرکار میں پیش کرتا۔ کیا غلام کو اپنی آبر و اور جان و مال کا خوف نہیں کہ شہنشاہ کے حضور میں بجز اس کے کہ وہ شاہ ہونے لایق ہو کوئی اور بازاری تحفہ پیش کرتا اب اگر جان کی امان پاؤں تو حقیقت حال عرض کر دوں۔ اکبر نے کہا۔ ہاں تم تو مابعد دولت کے خیر خواہوں میں سے ہو تمہیں کس بات کا اندیشہ ہے۔ بھلا۔ کہو تو ماجرا کیا ہے۔ ملک مسود نے پھر شاہ طہماسپ سے انکا تعلق ہونا اور پھر حوادث زمانہ سے مغلوں کو ہو جانا حد درجہ ناچار ہو کر تلاش معاش ہند کا قصد کرنا قافلہ میں مال و اسباب کاٹ جانا نور جہان کا حالتِ مسافرت میں جنگل میں پیدا ہونا اور دایہ گری پر اسکی ماں کا سن جانب اللہ ملازم ہونا اور پھر سب کے سب نہایت اعزاز و اکرام سے پہانک پہنچنا ان سب حالات کو سن و عن عرض کیا۔ اور کہا کہ جسوقت جہان پناہ کے والد بزرگ و ارحمت ہمایوں پادشاہ ہرات کو تشریف لے گئے تھے تو اسوقت اسی مرزا غیاث بیگ کے باپ خواجہ محمد شریف نے بڑے حضور کے ساتھ کارنمایان اور بڑے بڑے جان ناریان کی ہیں۔ اور عمدہ عمدہ خدمتیں بجالائیں یہ شخص اسکا امید پر بنظر استحقاق خدماتِ جلیلہ سابقہ حضور اقدس میں حاضر ہوئے لگو نکلا تھا کہ راہ میں آفات گونا گوں کا سامنا ہو گیا۔ بوجہ غربت و افلاس کے انہوں نے نہ چاہا کہ جہان پناہ پر ان تعلقات کا اظہار ہو بلکہ مجھ سے بھی یہ درخواست کی تھی کہ

بطور غلاموں کے حضور کے بارگاہِ اقدس میں یہ لوگ پیش کر دیجائیں یہ حقیقت ان کی جو فائدہ نادر نے عرض کی۔

اگر نے جب یہ داستان سنی تو حد درجہ خوش ہوا اور کہا کہ بیشک ان کے چہرہ دن سے روزِ اول میں نے پہچان ہی لیا تھا کہ یہ کسی شریف خاندان کے شکستہ حال لوگ ہیں۔ مگر تیری داستان نے میرے رہے ہیں شک کو بھی دور کر دیا۔ مان سود تمہاری ہمت اور ہمدردی پر بھی ہزار آفرین اور لاکھ تحمیں ہے۔ کیونکہ یہ عام عادت ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں خود غرض اور خود مطلب لوگ شرفاوردی کمال لوگوں کو آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ اس خیال سے کہ کہیں اپنی سربازاری نہ ہو۔ درجہ بہت اہل کمال تمنہای تمنایں رہ جاتے ہیں کہ کاش کسی طرح دربار میں ہماری رسائی ہو جائے اور اپنے بادشاہ کے روبرو ہم اپنا عرض کمال کر کے قدر دانی کے مستحق بنیں۔ اس تمنایں وہ بیسویں ذریعہ پیدا کر کے امر اور مزہ تک رسائی حاصل کر کے عرض حال کرتے ہیں مگر وہ اپنا کام نکال لے کر پھر اذکو جیلے والے آسے بلے کر کے مال دیتے ہیں ان نمک حراموں کو یہ خیال نہیں آتا کہ ہر شخص اپنا اپنا رزق مقوم آپ کہتا ہے۔ میں اس کے حضور میں پہنچا دینے میں کیا ہرج ہے۔ مگر نہیں یہ صرف انکی دون ہمتی اور کوتاہ بینی ہے۔ بہلا تلو تو کہ ان لوگوں کے اعزاز و مراتب کے بڑھنے سے تمہارا کیا نقصان ہوا۔ بلکہ اور مباد دولت تمہارے شکر گزار کہ عمدہ اور بے بہا متحدہ فلان شخص نے لادیا اور اوہر ایک شریف خاندان کا (جو شکستہ حال تھا) ہر ایک رکن آباد و عن جد تمہارے اور تمہاری آل و اولاد کا ممنون اور دعا گو بنارہا۔ سچ کہا جس نے یہ کہا ۵ عبادت بجز خدمتِ خلق نیست پابند سبوح و سجود و دلق نیست

ملک مسود نے جب اگبر سے یہ تقریر سنی تو بے تحاشا اڑھک بادشاہ کے گرد تصدق ہونے لگا اور اس روشن خیالی اور رحم کی حد درجہ تعریف کی کہ کلام الملوک ملوک الکلام۔ غرض کہ اگبر نے شامل فیاضیوں کے ساتھ ملک مسود کو اوسکی امیدوں سے زیادہ اوس کی کارگزاری کا صلہ بخشا اور مرزا غیاث بیگ و ابوالحسن سینے باپ میثون کو دربار کے اعلیٰ خدمتین عطا کر کے

حاضر باشی کا حکم دیا۔ مرزا غیاث چوٹکر اپنی خاندانی شرافتوں اور ذاتی لیاقتوں کے علاوہ خود بھی اعلیٰ درجہ کا محاسب اور خوشنویس۔ محرر۔ مقرر اور شاعر و سخن بیان بھی تھا۔ پس اس کے قابلِ قدر ترین انجام دین اور اس کا اعزاز بھی دن دو گئے رات چو گئے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دیوان پونا ہو گیا۔

اب رہی یہ بات کہ پادشاہ نے ان کے شرافت کی آزمائش میں کس کس طرح کے ٹکٹاٹ ان سے لئے ہوئے اور کیسے کیسے دھوکے دیکر ان کی جانچ پڑتال کی ہوگی یہ تو ایک ٹل داستان ہے مگر ہم اس وقت ناظرین بالکلین کے ملاحظہ کے لئے ایک واقعہ پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ شاہانِ سلف شرفا کی جانچ پڑتال کیسے کیسے صعب و سخت امتحانات سے کیا کرتے تھے۔ میرے معزز و محترم ناظرین۔ شرافت بہت ہی نازک چیز ہے اس کا امتحان بھی کوئی سہل بات نہیں۔ بعض نازک مواقع اور اہم ترین معاملات میں خاص کر شرفاے ایسے دشوار ترین کام وقوع میں آئے ہیں کہ دشمن سا دشمن۔ مخالف سا مخالف بھی بے اختیار چلاؤا کہ واللہ باللہ شرافت بھی ایک خدا داد انمول جوہر ہے۔

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ تعلیم و تربیت سے انسان شریف بن جاتا ہے یہ شرافت کبھی ہے اور بعض اس کے مخالف ہیں کہ نہیں شرافت جی دہی ہے۔ جو لوگ شرافت کو نہی جانتے ہیں ان کا یہ بیان ہے کہ تعلیم و تربیت سے انسان لایق تو ہو جاتا ہے مگر شریف نہیں ہو سکتا۔ اہل عرب کو شرافت پر بہانک ناز ہے کہ وہ اپنے گھوڑوں کے نسب نامے ہی بڑی حفاظت کے ساتھ رکھا کرتے ہیں۔ تعلیم و تربیت سے انسان بیشک لایق بن جاتا ہے۔ جیسے ملح کرنے سے تانبے یا پیتل کے برتن باسن ہو ہو چاندی اور سونے کے سے نظر آتے ہیں۔ مگر جب اسکو گیس ڈائینگ تو وہی اصلی پیتل نکل آئے گا۔ برخلاف زنگ آلود چاندی یا سونے کے برتن کے کہ اسکو جون جون کہتے جاتے خالص چاندی یا سونا ہی نکلتا جائیگا۔ یہی حال تربیت یافتہ کم ذاتوں کا ہے ظاہر تو انکا شیر نوکھا سا نظر آتا ہے مگر باطن خست آلود۔ پلٹے جب یہ عکس پر

گھسے جاسکے اور آزمائے جاسکے تو وہی کدائی انکا اصل غرض نکل آئیگا۔ برعکس ان کے شرفاً
 تو جو کبھی بڑی سمجھوتہ یا نہانہ کے صدمات سے دنگ آؤ ہو جاتے ہیں ہو اگرین مگر جب ان کی
 آزمائش کہ کجائی تو وہی جو ہر خاص نکل آسکے جو انکا اصلی جوہر ہے۔ چنانچہ اس کے مصداق
 بہت سے واقعات ہیں جو بزرگان قوم کی زبان زد ہیں۔ مگر میں نے خوف طوالت ترک کیا ہے۔
 غرض قاضی سالک بلی بی کو چونکہ بادشاہ کے محلات میں آمد و رفت کی اجازت تھی کبھی کبھی
 نور جہان کی حقیقی مان بھی بوجہ اپنی اعزاز خاندانی کے اس کے ساتھ محل میں آیا جایا کرتی تھی
 بلکہ اسکا ایک یکم سے بہنا پا ہو گیا تھا۔ ایسا دور نور و زو وغیرہ کے شاہی جشنوں کی تقریبات
 انعام و کرام سے بھی سرفراز ہوتی تھی۔ چنانچہ مان کے ساتھ لڑکی بھی جایا کرتی۔ اس عرصہ
 نور جہان بھی نام خدا جو ان ہو چلی تھی۔ اسکا نام مہر النساء کہا گیا تھا۔ یہ حسین و جمیل ہونے کے
 علاوہ نہایت درجہ زکی و عقیل بھی تھی۔ یہ اوصاف اس کے شاہزادہ جہانگیر کے اسپر فرشتہ
 ہونے کے باعث ہوئے۔ اسے رے عالم جوانی۔ اس ملک فریب حن بے ساختہ پر وہ
 کون ہوگا جو فرشتہ نہ ہوگا۔ حن بھی بلا کا حن۔ زلفین مار سیباہ۔ رخسار رشک ماہ۔ انگبین
 گو یا طلسم جادو۔ ہلال ابرو۔ تیر مژگان ایسے کہ دید نہ شنید۔ دانت و درعدن۔ دہن پہو لو نکا
 عزن۔ لہو کی رنگت جلد بدن نمودار۔ سینہ ابھر اہوا۔ شکم آئینہ سا۔ سر پا کرشمہ ناز چال کا
 نیا انداز۔ جملہ اعضا لطیف و با اعتدال سر پا غنچ و دلال۔ ہزار سینوں میں ایک حسین فی الواقع
 بے مثل و زلفین۔ اس کے اس آن بان اور انداز کو دیکھ کر سارے محلات کی بی بیوں کو یہ اندیشہ تھا کہ
 یہ بجلی ضرور لیکن یہ ہیں چمکنے والی ہے۔ اسی طرح شاہزادہ سلیم بھی ایسا جوان رعنا تھا کہ چشم و
 قد و قامت میں بے نظیر۔ صورت تھی کہ قدرت قدیر آکھو نہ پر غزالان خلق قربان۔ ہونٹ گویا
 جمل بدخشان۔ رخسار پر بہار۔ چہرے کا رنگ گلزار۔ مزاج میں ثنائت۔ گفتگو میں وقار۔
 بازو بہرے بہرے گول۔ کلائی ان سڈول۔ گردن صراحی نما۔ سینہ کشادہ شیر کا سا۔ سین
 بہیگی ہوئیں۔ سہزادگان۔ سرال جادو سراسر اعجاز۔ کیون نہ ہو آخر شاہزادہ تھا۔ گویا آپ نے بنایا

القصہ نور جہان نے تاک کر ایک دن اس اٹلانڈ مارا کہ شہزادہ سلیم اوس جگہ کوٹ پوٹ ہو گیا۔ اس
دیکھیں تنہا من جو آتے جاتے بڑ اور چکا دیا جلا دے جاتے جاتے۔

پہر بہار آتی ہے تجھ میں گلستانِ غم نہ کہا
وہ چلے آتی ہے فوجِ عندلیبانِ غم نہ کہا

اللہ اللہ بسنتِ مرث بہار کی اوندالی فصل اپنے آسگون میں وصل کے آرزو بہرے زمانے کی طرح ہستی
کہیلی آئی۔ پھولنے پہلنے کی ہوا بندھی۔ جو انان چین کی سنہری کوٹون نے کسی کے آفتابی زماروں
کی طرح آنکھوں میں چکا چونچید کی۔ چوکی نرم نرم خوشنایا کوٹوں پر ہرے ہرے کیتونیں ہوا کی تھوک سے
مستون کی طرح چومنا طیتون کو شکستگی بخشے لگا۔ سول سری کی ہینسی ہینسی خوشبو۔ چلبے دلون کو
لے ادری۔ سرون کے زرد زرد کیت کسی پر پیکی کی زعفرانی پوشاک دیکھ کر ہنستے ہنستے بچھڑ گئے
طیتون دن آنگ دلون میں اٹیل پیا ہو کر ج میں کنہیا کی صورت نکھری ہوئی گوپون ہٹول کرنے
ہنسنے ہنسانے کو جی چالا۔ گو عاشق مزاجون کو بسنت کی خبر نہ ہو مگر کسی لیلی ادا کا گھر ہوا جو
بغیر محون بنائے کب چھوڑتا ہے۔

ایسے بہار افزا موسم میں جقدر تفریح اور دل بہلائی کے جملے ہوتے ہیں رنگین مزاج لوگ بخوبی
واقف ہیں چنانچہ شہزادہ سلیم ایک دن مینا بازار کی سیر میں مصروف تھا کہ یہ سرفراست گلبدن دریا
روش سے شہزادہ کے مقابل ہو گئی اور بہ آداب شاہی سلام کیا۔ شہزادہ کے دونوں ہاتھوں میں
دو کبوتر تھے۔ اسنے ان کبوترون کو مہر النساء کے واسے کیا اور کہا کہ بی لڑکی ذرا ہمارے کبوتر تو
لے رہو اور آپ پھول توڑنے لگا۔ اتفاقاً مہر النساء کے ہاتھ کا ایک کبوتر پھڑک کر اوڑ گیا یہ حیران تھی کہ
اتنی صاحبِ عالم اگر پوچھیں گے تو میں کیا جواب دوں۔ اس اثنائیں شہزادہ سلیم آگیا اور پوچھا کہ کن
میر ایک کبوتر کیا ہو گیا۔ مہر النساء۔ وہی آواز سے۔ صاحبِ عالم وہ تو اوڑ گیا۔ شہزادہ نے پوچھا کہ
اوڑ گیا؟ کس طرح اوڑ گیا؟ شہزادہ کا یہ پوچھنا تھا کہ نور جہان نے میا خاتون کو کبوتر کو بھی
چھوڑ دیا اور اس کے اوڑنے کے ساتھ ہی کہا کہ صاحبِ عالم وہ اسی طرح اوڑ گیا تھا چو کہ شہزادہ

اسوقت سرور کے عالم میں تھا اسکی بیوی اپن اسکو نہایت ہی پسند آیا۔ اور مہر النسا کی یہ ادالسی بھلی معلوم ہوئی کہ شاہزادے کو اسکا ایک خیال پیدا ہو گیا۔ اب اسکی محبت سلیم کے دلین روز بروز بڑھتی گئی۔ اور ہمیشہ موقع ڈھونڈتا رہا۔ چونکہ شہنشاہ اکبر اس کے باپ کو اپنے رعایا کی ناکامی بڑا خیال رکھتا تھا۔ لہذا یہ بھی چونکہ اسی باپ کا بیٹا تھا تا اسکا ان امور کا خیال رکھتا تھا۔ واقعہ ایک روز کا ذکر ہے کہ جہان پناہ عماری میں سوار تھے اور سلیم شہزادہ غامی میں بیٹھا تھا۔ عام دستور ہے کہ بادشاہ کی سواری دیکھنے کا ہر لدنی و اعلیٰ اشتاق رہتا ہے۔ اور خصوصاً بادشاہ کی صورت پر نظر کرنا دلہر دور ہویکا باعث تصور کیا جاتا ہے۔ بادشاہ کو دیکھنے کے شوق میں ایک نوجوان عین عورت نہاتے نہاتے بدلی اور گھبراہٹ میں بے ساختہ عام ٹھکڑے سواری دیکھنے لگی اور اس حالت میں ایسی سختی کہ اسکو کچھ بھی اپنے ایلیے میں اور لباس وغیرہ کا خیال تک نہ رہا۔ شہزادہ کی نظر جو اس کے حسن بے ساختہ پر پڑی تو دل ہی دلین بے چین ہو گیا اور چاہا کہ اس حسن بے ساختہ کی ہمار کا عالم اپنے باپ کو بھی دکھلا دیکھنا۔ بے تکلف عرض کرنے لگا کہ حضور اقدس یہ عوام الناس بھی کس قدر بد تمیز ہوتے ہیں کچھ ایک عورت حضور کی سواری دیکھنے کے لئے اس قدر بے تابانہ حمام سے نکل آئی ہے کہ کچھ بھی اسکو اپنے تن بدن کا خیال نہیں رہا بادشاہ آخر بادشاہ ہوتے ہیں۔ کیا منی کہ خدا تعالیٰ نے جب اس منصب جلیل القدر بادشاہوں کو عزت بخشی ہے تو آخر کوئی نہ کوئی غیر معمولی وصف سے بھی انکو آراستہ فرمایا ہے پس آپ شہزادہ کا منشا سمجھ کر فرمایا کہ بیٹا تمہارا یہ اعتراض یا تمہارا استعجاب بالکل بیوقوفی ہے۔ اس لئے کہ بادشاہ اپنے رعایا کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہے اور باپ کا بیٹا اپنے تم بھائی ہو۔ البتہ عورتوں کو نامر مومن پردہ کی ضرورت ہے۔ باپ بھائی کے روبرو تکلف اور پردہ کی کون ضرورت؟ غرض تم اس طرف مت دیکھو۔ شہزادہ اس جواب کو سکر عرق عرق ہو گیا!! چونکہ شہزادہ سلیم ایک لائق باپ کا بیٹا تھا اور ولی عہد بھی تھا لہذا خود اسکو اپنی رعایا کے ناموس کا بہت کچھ خیال تھا۔ اور مہر النسا انک ایک دوستیہ ناکتہ لڑکی تھی۔ کسی سے

نامزد بھی نہ تھی پس اسکا اسکی اداؤں پر لوٹ جانا یا اس کے ساتھ عشق و محبت کا خیال پیدا ہونا
عالم جوانی کی ایک معمولی بات ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسنے کسی کی بیوی یا کسی کی منکوحہ کی طرف نظر
سے نہیں دیکھا نہ اس امر قبیح کی جرأت کی۔ پس یہ کوئی عیب کی بات نہ تھی۔

عام مورخین یہ جو الزام لگا تھے یمن کہ سلیم نے اپنی بادشاہی کے عہد میں اس کے خاوند کو مرنے والا
اور پھر نور جہان کو اپنے عہد میں لایا اسکا ثبوت ایک شکل امر ہے۔ رد قرآن پر نظر ڈالکر حب مرضی
نتیجہ نکال لینا اور بات ہے۔ جن قرآن پر نظر کر کے ہم اپنے حب مرضی جو نتیجہ نکال سکتے ہیں بطبع
ممکن ہے کہ ایک نیک دل آدمی اس کے برخلاف دوسرا نتیجہ مترتب کر سکے۔ جو اس کے مفید ہو۔
لکھتے ہیں کہ ایک دن جہانگیر نے وفور اشتیاق میں مہر النساء کو اپنے آغوش محبت میں کیچنا چاہا کہ
وہ پھرتی کے ساتھ ہاتھ چھوڑ کر الگ ہو گئی۔ اور کہا "صاحب عالم دیکھو کہ یمن کوئی دیکھتا
نہ ہو اس میں طرفین کی بدنامی ہے۔ ہم ایسے غریبوں سے دل لگی کیا سنی۔ کیا آپ کے لئے
اپنے ہم رتبہ لوگ کم ہیں۔ اور محلات شاہی میں دولت حسن کی کوئی کمی ہے؟ آپ ہی فرما
کہ مجھ ایسے کم رتبہ لڑکی سے آپ سینے بونینے تو لوگ کیا کہیں گے؟ اس کے قطع نظر بلحاظ مراتب
آپ کو مجھ سے کیا مناسب ہے؟"

سلیم۔ جان جان۔ یہاں شاہی و فقیری کا کیا ذکر۔ عشق کی سرکار میں شاہ و گدا ہر دو برابر
ہیں۔ راہ حق صورت۔ بھلا محبت کو ان آرائشی اسباب سے کیا تعلق۔ کیا ایللی سے بہتر
دنیا میں کوئی حسین عورت نہ تھی جس پر محنون فدا ہوتا وہ تو کالی پیلی سانولی سلونی سی عورت تھی
مگر ایللی کو دیکھنے کے لئے محنون ہی کی آنکھیں دکھارتھیں۔ ان باتوں کو رہنے دو مگر اتنا وعدہ ہم
کر لو تو پھر ہم بیٹکر ہو جائیں گے۔ تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں۔

مہر النساء۔ توبہ توبہ۔ صاحب عالم آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ میں آپ کی خانہ زاد لونڈیوں کے
بھی بدتر۔ میرے ماں باپ آپ کے ادنیٰ چاکر۔ اتنی بڑی بات اور میرا منہ بہہ۔ کیا میں غواہ
نہیں دیکھ رہی ہوں۔ مجھ لونڈی کو آپ سے کیا نسبت؟ ہم لوگ خانہ زاد۔ نکو زار۔ جان

صرف آپکا ہمارے نسبت اسقدر کہدینا کہ ہمارے جان نثار و نہیں ہیں ہمارے لئے ہمارے ہزار گونہ افتخار ہے۔

اس تقریر کے بعد سلیم نے سمجھا کہ ہنوز یہ الزام ہے اسلئے میرا مقصود اس نے نہ سمجھا جس پر دیکھ لیا جائیگا۔ جب اس چہرہ چھاڑا اور عشق و محبت کی خبر شہنشاہ اکبر کو پہنچی تو اس نے اسکی ان کو تاکید کی کہ تم اپنے ارے کو ان حرکات سے باز رکھو مان نے جب بیٹے کو خلوت میں بلا کر نشیب و فراز زمانہ سمجھایا تو اس نے کہا کہ وہ کیسی کیسی ہو ہے دیباہی ہوئی مینی ہے۔ پھر میں نے کب کیسے کا حق چھینا ہے جو رسوائی ہو اس میں تو ہر طرح اسیکی خوش نصیبی ہے یہ امر اگر آپ کی خلاف مرضی ہے تو خیر جانے دیجئے۔

اودھر اکبر نے مرزا غیاث بیگ کو بلوا کر سمجھا دیا کہ حالت یہ ہے۔ تم اپنی لڑکی کو آئندہ محل میں نہ بھیجا کرو۔ زمانہ نازک ہے۔ کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔

مرزا غیاث۔ جہان پناہ۔ بادشاہی محل گویا اندر کا اکھاڑا ہے۔ بھلا مہر النساء سلیم کی بیٹہ کیوں نہیں سکتی ہے۔ مگر غلام کا یہ خیال ہے کہ چونکہ الطاف شاہی سے اسکی مان بیٹہ مملکت عالیات میں آمد و رفت رکھتی ہے لہذا حاسدوں نے اس آمد و رفت کے بند کرنے کے لئے غالباً یہ توطیہ باندھا ہو۔ ورنہ کجا شاہزادہ بلند اقبال اور کہان مہر النساء۔ یہ صرف حاسد و نکاحد اور ہمارے دشمنوں کی کارروائی معلوم ہوتی ہے۔ اکبر۔ نہیں نہیں تمہیں معلوم نہیں۔ یہ کوئی افسانہ نہیں۔ بلکہ درحقیقت واقعہ ہے۔ جو کچھ میں نے سنا بالکل سچ سنا ہے۔ مرزا غیاث۔ تو پیر و مرشد بات ہی کو نسی ہے۔ زبے فخر زبے نصیب ہمارے۔ ہم تو جان و مال سے سرکار پر نثار ہیں۔ یہ مہر النساء شاہزادہ کے مقابلہ میں کیا مال ہے کہ ویرغ کیا جائے۔

اکبر تم جانتے ہو کہ جگہ انداز میں میرا سالانہ خود اسکا سہرا ہے۔ میں آلی کار موج رہا ہوں کہ سبلا فتنے نہ کھڑے ہوں۔ بہتر ہے کہ تم مہر النساء کا نکاح جلد کسی سے کر دو۔

مرزاغیاں۔ اس بات کا اختیار تو خود ملازمان حضور کو ہے۔ جس کے ساتھ مناسب تصور فرمائیں
کنج پڑا دین۔ میرا سین کیا اختیار۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ جسطرح کہ اکبر نے پہلے بچے پور کے راجہ کی بیٹی اور پھر دختر راجہ جو دہپور سے
بیاہ کیا تھا اسی طرح سلیم کی شادی بھی فرزند راجہ جیپور یعنی بہگوانداس کی بیٹی سے کر دی تھی۔
بازگشت میں خود اکبر ساتھ تھا اور بہو کی ڈولی پر سے روپے اور اشرفیان لٹاتا آیا۔ بہگوانداس
جہیز میں تنہا تھی۔ کئی طویلے عمدہ گھوڑے۔ بہتیرے لونڈی غلام۔ سونے چاندی جواہر کے
اسباب۔ بتیار وغیرہ داماد کو دئے۔ یہاں تک کہ جلا براتیوں کو عراقی۔ ترکی۔ تازی۔ سونے
چاندی کے ساز سمیت گھوڑے دئے۔ اب بتلائے کہ ایسی راجہ دہلی بہو کیونکر اکبر محراب کے
کنج کی راہ دے سکتا تھا۔

مختصر یہ کہ علی قلی ترک جو طہارپ کا سفرہ چین تھا۔ بعد انقلاب سلطنت ملتان میں عبدالعزیز خان غانا
کے پاس آگیا تھا اور خاص کر جب یہ مورد عنایات سلطانی ہو گیا تھا تو خود بادشاہ نے محراب کا
کنج اسی کے ساتھ بڑھوا دیا۔ یہ بڑا بھادراور وجہ تھا۔ صوبہ بنگالہ میں بردوان اسکو جاگیر دی گئی۔
یہ شادی بڑی دہوم دہوم سے ہوئی۔ خود جہانگیر اس شادی میں شریک تھا محراب نے اسکی بیوی کو بیکر
علاوہ مقل کی بھی دینی تھی۔ اور لطائف و ظرافت میں بیل ہزار داستان سے کم نہ تھی چند روز میں
اوس نوجوان خاوند کو اپنا گردیدہ بنایا۔ اور اوہر علی قلی خان کے اعزاز و ترقی مرتبت پر اہل دربار اور
امر سے دولت پہننے لگے اور اسی رشک و حسد کے مارے کوئی دقیقہ اسکی ذلت اور ہلاکت کا
اوٹھانہ رکھا نہ تھا کبھی ہاتھی کے سامنے کر دیا۔ کبھی خوشخوار شیر سے ہتھابڑا دیا۔ مگر اسنے شیر
خان کا خطاب حاصل ہی کر کے چھوڑا۔ کبھی اسکے غور اور بے پروائی کی شکایتیں کی جاتیں۔
جب اسنے درباریوں کی یہ کیفیت دیکھی تو کچھ دن رانا چند کے ہمراہ رہ کر بادشاہ سے اجازت
حاصل کر کے اپنی جاگیر کو چلے گیا۔ اور بادشاہ نے اسکو مصلحت سمجھ کر بے تکلف اجازت دیدی۔
اس بائین میں جب اکبر دکن کی لڑائیوں کے بندوبست میں تعلقو شاہنشاہ سلیم نے بناوٹ اختیار کیا

اور الہ آباد سے لیکر صوبہ اودھ اور بہار تک اپنا قبضہ کر لیا۔ آخر کم پخت پیٹ ہو۔ اکبر نے اس کے پرستی کرنی مناسب نہ جانا۔ نرمی اور فہمائش کے ساتھ خط لکھا کہ تم ہمارے پاس چلے آؤ اور خود بھی آگرے کو چلا آیا۔ جب اکبر پر اولا دے مرنے سے سخت صدمات ماند ہوئے تنہایت درجہ علیل ہو گیا۔ آخر وقت میں سلیم کی موجودگی میں حکم دیا کہ سب امرا دولت میر بر و حاضر ہوں۔ جب سب امرا حاضر ہو چکے تو اس وقت اکبر نے کہا کہ سنو سلیم۔ میں نہیں چاہتا کہ میر سے آخری وقت میں جن لوگوں نے جنم بھرجان و مال کی قیادت سے میر سے کام آئے اور میں اور تم میں آئندہ کسی نوع کی نا اتفاقی اور رنجش باقی رہے۔ پھر اس نے بہت ساری اور بھی نصیحتیں کیں اور نصائح ختم ہونے کے بعد سب کے طرف سے لکھ کر کہا۔ بھائیو۔ میں اب اس عالم کو جاتا ہوں کہ پھر وہاں لوٹ کر واپس آنا ممکن نہیں۔ نہ وہاں کا حال مجھ کو معلوم ہے کہ کس طرح چروان سیری بسر اوقات ہوگی۔

باقی کیسے تم میں بخیش حیرانم پڑا اذکجا آدم نمی دانم پڑا آدم چون پرست نامعلوم پڑا زرقن کجاست نامعلوم پڑا اذکہ پرسم کہ چون من اندر ہم پڑا قیدی مجس تن اندر ہم پڑا بھائیو۔ وہاں کا حال یہ ہے کہ مع کان را کہ خبر شد خبرش با زینام۔ اب آپکا ساتھ خواہ مخواہ چھوٹا ہے۔ اب صرف میرے اعمال و افعال میرے ساتھ ہونگے۔ بھائیو۔ وہ جو کہتے ہیں کہ کوئی کیہ کا ساتھی نہیں۔ اس کی صداقت آج کے روز کے تجربہ پر موقوف ہے۔ بھائیو۔ اگر میں نے آپ لوگوں کا کچھ قصور کیا ہو تو نہ صاف کیجیو۔ لو تبار خدا حافظ و ناصر ہے۔ سلیم سے اب تو رونا نہ گیا۔ پیرون پر گر پڑا اور داڑی میں مار کر رونے لگا۔ اکبر نے اپنی تلوار کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ لو اور اسکو میرے سامنے اپنے کمر پر باندھو۔ پھر شیخ الاسلام مخدوم الملک کو بلا کر کہا کہ تم گواہ رہو کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان دنیا سے جاتا ہوں۔ اور پھر انہیں کے رو برو حکمہ و طیب پڑھتے ہوئے اس دارنا پائدار سے کوچ کیا۔ اِنَّا رُتُّوْا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اکبر کے بعد سلیم تخت پر بیٹھا اور لقب جہانگیر رکھا۔ اکثر وہ معمول جس سے رعایا کو تکلیف پہنچتی تھی بند کر دئے۔ حکم دیا کہ کوچ کے وقت کوئی سپاہی بادشاہی ملازم نہ بدوستی کسی رعیت کے گھر میں نہ آئے۔

ناگ کان کاٹنے کی سزا بھی موقوف کر دی۔ لکھا ہے کہ ہر چند کہ خود شراب کا عادی تھا مگر عام طور پر می نوشی کی سخت ممانعت کرادی۔ اپنے رہنے کے محل میں ایک ذخیرہ سونے کی گھنٹیاں باندھ کر لگادی

اور اس زنجیر کا دوسرا سر اقلے کے باہر لٹکا دیا۔ کہ اگر کوئی فریادی۔ وادخواہ۔ یا صاحبِ جوہر ذی علم و کمال جو بادشاہ تک پہنچنے کی آرزو رکھتا ہو۔ جسکو دربان یا امرانہ پہنچنے دیتے ہوں تو ایسا شخص اس زنجیر کو بے تکلف خود ہلا دے اور جہانگیر مجر و گھنٹیوں کی آواز سننے کے خود بنفس نفیس برآمد ہو کر اس شخص کو بلوالیتا۔ اور اسکا معروضہ سنتا۔ اور اسکی آرزو پوری کرتا۔ اور ذی کمال بے کیشکے دربار داری کی عزت حاصل کرتے۔ مورخین کا بیان ہے کہ تختِ پینچنے کے چھ برس بعد ایسے اتفاقات ہوئے کہ۔ شاہزادہ سلیم کو نور جہان کے ساتھ نکاح کرنے کا اتفاق ہوا جسکی تفصیل یہ ہے۔

لکھا ہے کہ نور جہان کے خاوند شیر افغن خان کو نجوم و رمل میں بھی دخل تھا ایک روز وہ زانچہ دیکھ رہا تھا کہ محرم النساء نے کہا کہ ذرا میرا زانچہ بھی تولے اتمہ دیکھ ڈالے۔ اُس نے قرعہ پھینکا اور دیکھ کر کہا کہ سلیم تمہارے سر پر تو چتر شاہی قربان ہوتا نظر آ رہا ہے۔ سلیم منسنے لگی۔ مگر ساتھ ہی جہانگیر کا معاملہ سابق دلیں کشک گیا۔ سچ ہے کہ شہنشاہی کام رنگ نہیں سکتے۔ ہر جملہ جو ہی رہتے ہیں۔ ۵۔ انچہ یہ بخت است بہم می رسد پڑ ورنہستانی بستم می رسد۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا تو وہ آتشِ عشق جو اب تک ثابت قدمی سے نہ ہفتہ رکھتا تھا اب اس کے چھپائے رکھنے کی تاب نہ رہی۔ اوس نے قطب الدین اپنے کو کا کو بنگالہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اور اس سے رخصت کے وقت تنہائی میں کچھ پولیسکل نصیحتیں کیں۔ شیر افغن خان اپنے وکیل کی تحریر سے اس پر مطلع ہوا تو اسکو یقین گزرا کہ جہانگیر نے قطب الدین سے نور جہان ہی کے بارہ میں کہا ہوگا۔ اوسیدن اوسنے واقعہ نگار سے کہدیا کہ میں آج سے بادشاہ کا نوکر نہیں ہوں۔ اور بحسبِ ظاہر تیار باندھنا چھوڑ دیا۔

قطب الدین خان جب صوبہ دار ہو کر بنگالے میں پہنچا تو اس نے کئی دفعہ آدمی بھیج کر شیر افغن خان کو بلوایا کہ گمان بد اسکا دفع کرے۔ چونکہ وہ آگے ہی سے بدظن تھا لہذا وہ صوبہ دار کے طلبی کا کچھ پروا نہ کی اور نہ اس کے پاس گیا۔ ہر چند کہ اس کے دوستوں نے بہت کچھ سمجھایا مگر اس نے

مگر اس نے ایک نہ سنی۔ آخر صوبہ دار خود تقریباً دورہ اسکی جاگیر کو گیا۔ اور کمال اشتیاق سے اس کے پاس ملنے کا پیام بھیجا۔ شیر افغن مجبور ہو کر صوبہ دار کے پاس چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر ہوا گیا۔ مگر نیم آستین کے اندر زرہ بکتر پہنے ہوئے اور تلوار چھپائے ہوئے تھا۔ قطب الدین نہایت تپاک سے ملا اور غیرت پر سی کی۔ مگر اس کے ارادہ بد سے بالکل بے خبر تھا۔ چونکہ شیر افغن خان کے ذہن میں ایک بات میثہر چلی ہے لہذا وہ برابر الجھی ہوئی گفتگو کر رہا تھا۔ اور ہر بات کا جواب دیتا تھا۔ جب صوبہ دار نے اسکی یہ حالت دیکھی تو اس سے پوچھا کہ پھلے آپ میرے بار بار بلانے پر نہ آئے اور اب جو میں خود آپکا ہوں تو اس قدر کہانی سے پیش آتے ہو۔ آخر آپکا مزاج تو اچھا ہے۔ اوپر ہاتھ کے غصے اور پریشانی کا سبب کیا ہے۔ شیر افغن نے جھٹاکر جواب دیا کہ آپ کو اس سوال کا کوئی حق نہیں۔ اگر آپ کو کوئی پیام ادا کرنا ہو تو کیجئے۔ صوبہ دار نے کہا کوئی پیام میرے پاس نہیں ہے جو آپ کو پہنچاؤں۔ شیر افغن خان نے آواز کے ساتھ غصہ میں آن کر چٹا کر کہا کہ کیا آپ کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ آپ مجھ سے محضر النساء کو چھین کر بادشاہ کے پاس بھیج دیں۔ صوبہ دار۔ پادشاہوں کے نسبت جو رعایا کے حق میں بمنزلہ مان باپ کے ہیں ایسا خیال کر نیکو بھی میں گناہ سمجھتا ہوں۔ آج اگر وہ اشار کریں تو صد آدمی جان نثار کرنے حاضر ہیں۔ فرض کیجئے کہ مجھے ایسا حکم ہوتا تو آپ کو بلوانے کیا ضرورت تھی۔ اس کے لئے ہزاروں تدبیریں تھیں۔ شیر افغن۔ آپ نے جھکوشاں اس لئے بلایا ہو کہ مجھ کو محضر النساء کو طلاق دینے پر مجبور کریں۔ صوبہ دار۔ وہ لو بالفرض اگر یہی بات ہو تو اس میں کیا قیامت۔ یہ تو آپکا اختیاری امر ہے چاہیں طلاق دیں چاہیں نہ دیں۔ کوئی آپکو مجبور نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بھی آپکا غلط خیال ہے۔ شیر افغن خان۔ مجبور۔ مجبور کیا معنی۔ مجھے یقین اس امر کا ہے کہ جو بڑے بڑے ہوں پر بادشاہ نے مجھ کو بھیجا تو یہی غرض تھی کہ میں مارا جاؤں اور محضر النساء محل میں داخل ہو۔ جب دیکھا کہ جیتا جاگتا کامیاب واپس آیا تو اب آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی صورت میں کام تمام اور محضر النساء کو داخل محل کریں۔ صوبہ دار۔ مولا کاؤں

اور دولت مند گھروں میں حسن کی کمی نہیں۔ شیرازنگن۔ مگر خط کا کیا علاج۔ محبوب وار۔ دیکھئے ذرا
آپ اپنے کو سمجھا لکھ گنگو کیجئے۔ صرف ایک خیال ناسد کی بنا پر آپ اس قدر بھڑک رہے ہیں
اور آپ سے باہر ہوئے جاتے ہیں کہ جہاں کوئی ٹھکانہ نہیں۔ میں اپنے آپ کو تو کچھ سمجھتا ہی
نہیں ہوں۔ مگر ظل اللہ کے شان میں جو الفاظ آپ کے منہ سے نکلے ہیں اس کا نتیجہ اچھا۔
نہ ہو گا۔ ذرا اس کا خیال رکھئے۔ مگر ساتھ اس کے یہ بھی سن لیجئے کہ آپ کے اصلی موٹے
مرنے یا جنگ میں مارے جانے کے بعد بادشاہ ہی کی کیا خصوصیت تھی کہ انکو نکال کرے۔ وہ
پھر شخص کے لئے جائز تھی۔ اور بادشاہ کا خیال اس طرف رجوع ہونا نہ ہونا ایک فرضی بات ہے۔
کی کوئی کسی کو قتل کیا جاتا ہے تو اس کے لئے مشورت کرتا ہے۔ خصوصاً بادشاہ **س** نہان
کے مانند آن رازے کروا ساند مٹھا ہوا آپ خوب جانتے ہیں کہ بادشاہ آپ کی شادی میں شریک
بہتر ہو گا کہ آپ اس خفیہ نویس مجبور کو سزا دیں کہ جس نے آپ کو بیوجہ بادشاہ سے بدظن کیا اور
اس قدر برا فروخت کیا ہے۔ آپ نے کیونکر اس قدر آسانی کے ساتھ اس امر کو قبول کر لیا کہ جس بادشاہ
و شانزادے نے اپنی بیٹی و بہن کی طرح ایک غریب لڑکی کا نکاح آپ سے کر دیا ہو۔ اب بادشاہ
ہونیکے بعد ہر آپ سے ہر طرح چہرین پیرا ناوہ چلے۔ میں سخت افوس کرتا ہوں کہ ایسے رذیل خیال کو
آپ نے اپنے دل میں جگہ دی اور پھر خیر سے آپ اس پر اصرار بھی کرتے ہیں۔ غرض صوبہ دار
سخت طاقت کرنی شروع کی۔ پھر اثنائے تقریر میں کچھ سخت و سخت کلمات بھی جوش نکلائی
اور دوفیخرواہی میں اس کے منہ سے نکل گئے۔ اسپر شیرازنگن سمجھا کہ معاملہ بگڑ گیا اب خیر نہیں
فورا یم آئین سے پوشیدہ نیچہ نکالا اور صوبہ دار کی پشت پر اس زور سے مارا کہ اسکی
آئین نکل پڑیں۔ ساتھ ہی شیرازنگن دہان سے بھاگا چاہتا ہی تھا کہ صوبہ دار کے مصاحبین میں
سے ایک کشمیری نے اسکو سخت زخمی کیا۔ پھر صوبہ دار کے ہمراہیوں کو جو اس واقعہ کی خبر
ہوئی تو انھوں نے اسکا قیسمہ بنا ڈالا۔ اور بوٹیاں بانٹ دیں۔
بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ شیرازنگن کو ہر چند کہ زخم کاری ملے تھے تاہم وہ اسی۔

نفس واپسین کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر اوس بھیر میں سے نکل چلا کہ اپنی بی بی محسنہ النساء اور اسکی ماں کو بھی مار ڈالے۔ جب وہ اپنے مکان پر پہنچا تو دروازہ بند پایا اور سانس اسکی رونے پینے اور چیخنے چلانے لگی کہ ”ہے ہے اب میں کیا کروں۔ لوگو دوڑو۔“

محسنہ النساء۔ اپنے خاوند کے مارے جانکی خبر سنکر بادی میں گر کر ڈوب مری۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو بیشک نور جہان کی ماں نے نہایت عاقلانہ اور دور اندیش کام کیا

ورنہ شیر افغن خان کی گردن پر بلا وجہ اور دروغلو موٹکا خون ناحق رہ جاتا۔

جب جہانگیر کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اسکو اپنے کو کا لینے صوبہ دار کے بے گناہ مار جائینکا

سخت رنج ہوا۔ جو حضرت شیخ سلیم قدس سرہ کا بیٹا تھا۔ بنگالہ کے کار پر دازون نے بنظر شہرت

سابقہ اور اپنی رسوینت جتانے کے لئے قبل اس کے کہ کوئی حکم شاہی پہنچے پہلے ہی سے

محسنہ النساء کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ کیونکہ صوبہ دار بنگال کے قتل کے بعد شیر افغن خان

اور اس کے پس ماندگان پولیسکل مجرم قرار پا چکے تھے۔ اور اس جرم کے بدلے میں سب

اسکا گھر بار سرکار میں ضبط ہو گیا۔ جب محسنہ النساء جہانگیر کے محل میں داخل ہوئی تو بادشاہ نے

اسکی طرف دیکھا بھی نہیں۔ بلکہ اسکو لونڈیوں کے زمرہ میں داخل کر کے اپنی رضاعی ماں

سلطان سلیمہ بیگم کے حوالے کر دیا اور کہا کہ یہ عورت آپ پاس آپ کے شہید فرزند صوبہ دار

بنگال کا ایک معاوضہ رہے۔ اور پورے دو سال یا زیادہ مدت تک اس کے خبر بھی نہ ہوا۔

کیونکہ ناظرین اگر سلیم نور جہان پر واقعی عاشق ہوتا تو کیا اس کے ساتھ اس طرح کی

بے پردائی کی جاتی۔ کیا عشق و محبت کی اضطرابیاں ایسی ہی ہوتے ہیں۔ اب وہ لوگ

جو یہ کہتے ہیں کہ جہانگیر نے نور جہان کے لئے اسکے خاوند کو عداوت مراد ڈالا۔ اب کیا

فرمانے ہیں۔ اب وہ عشق و محبت اور وہ اشتیاق و انتظار کیا ہو گیا؟ مگر ان گاہ گاہ کی

دیکھ بہال کی وجہ سے اب جو اسباب عشق و محبت پیدا ہوں گے یا تو اسکو محسنہ النساء کی

حسن تدابیر یا تریاچر تر پر محمول کیجئے یا وہ معرفت و محبت سابقہ کا سلسلہ بھڑک اٹا ناظرین کو

اختیار ہے اسلئے کہ اب تو میدان صاف ہے۔ مگر جو نوشتہ تقدیر ہے اسکا ظہور میں
 آنا لازمی ہے۔ کیا ہمارے دادا سے ممکن تھا کہ نوشتہ تقدیر کے برخلاف گیہوں نہ کھاتے
 اگر نہ کھاتے تو ہم کیسے وجود پاتے اور پھر کون ان کے ذلالت کے تذکرے کرتے۔ غلط
 فرمائے کہ نور جہان کے تحت بلند اسکو کیا سے کیا بناتے ہیں۔ اور کہاں کہاں پہنچاتے
 ہیں۔ اور جو باقیں مقدر کہلاتے ہیں اُن کی تعمیل کا رکناں قضا و قدر کس قدر سرگرمی سے ہوتا
 و مجبور ہیں۔ ہمارے تدابیر ہماری احتیاط ہمارے حرکات و سکنات سب اسی کے مطابق
 ہیں اس سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اسے خطیئات کے الزاموں کو نقل محض بنانے والو۔ زبان
 بند کرو اور کارخانہ قدرت میں دخل بے جا مت دو۔ **۵** الفت کاتب مفرود کو دونوں
 ہون بقیہ راز و دونوں طرف ہوا آگ برابر لگی ہوئی۔ نور جہان پر جب دو سال سے زیادہ کا معاملہ
 ناکامی کی حالت میں گذر اتو اسکو طرح طرح کے خیالات گزرے ہون گے۔ کیونکہ جو باقیں سنی
 گئی تھیں یہاں تو معاملہ بالکل اس کے برعکس نظر آیا۔ لاکھ لاکھ تدبیریں لیکن بڑے بڑے
 دانتوں چلے مگر بادشاہ نے اس کے طرف بھوٹے سے بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اب
 بیچاری کیا کرے۔ نثار خانے میں طوطی کی آواز پوچھتا کون ہے؟ ڈرے کو آفتاب
 کیا نسبت۔ مگر امید بھی عجیب چیز ہے۔ ایک عالم اسی کے سہارے جیتا ہے۔ اگر
 یہ نہ ہوتی تو حرمان نصیبوں کی جانوں پر بن آتی۔ جیسا حال ہو جاتا۔ بلا کشان محبت اسی
 بھروسے شام سے صبح اور صبح سے شام کر دیتے ہیں۔ اور ہجر کی پہاڑ سسی راتوں کو
 کاٹ ہی دیتے ہیں۔ ہائے امید تو عجیب چیز ہے۔ جہاں تو نے ساتھ دیا کہ باجھین
 کھیل گئیں۔ رنگ میں سرخی دوڑ گئی۔ دل میں قوت۔ پانون میں زور آگیا۔ جھوم جھوم
 چلے نلکے گویا قطعی طور پر مراد بر آگئی۔ غرض یہ امید کے بھروسے خدا پر توکل کر کے کچھ
 رہی۔ اور عالم تنہائی میں کبھی شاہزادہ کی وہ پرانی چیمڑ چھایا دیا جانی تو چپکے چپکے
 دو چار اشک کے موتی دامن پر گرا دیتی۔ اپنی ادھو وقت کی دلفریب بھولی بھولی ادھو

اور شاہزادہ کا اسپر فوجیہ بنایا دیکر قی تو بے اعتبار ہو جاتی۔ مگر آئنا اس نے بھی دل کڑا کر کے
 دودھ چھندے ناز و لذت از عشقہ واداء کرشمہ وغیرہ آرائشیں بناؤنگار کے تیار کئے کہ
 تاگزیر جہانگیر کو پھنسا پڑا۔ کبھی نکھر کر اپنا جو بن بتا دیا۔ کبھی تیغ ابرو کا لگایا کیا۔ کبھی
 دست چنائی سے پیس ڈالا۔ کبھی غصہ کے عالم میں خمار آلود آنکھیں دکھا کر مست کر دیا
 کبھی تیوری بدل کر آنکھ چرائی۔ کبھی زلفوں کو رخسار و پیر بکھیر دئے۔ کبھی گیسوؤں کو
 پریشان کر کے اپنی حالت کا ترجمان بنایا۔ کبھی روٹھی صورت بنانا کہ کوئی سمجھ جائے
 کبھی مسکرا دینا کہ کوئی دیکھ جائے ۵ دیکھا بھی چمکیا ستارہ ۶ قلم جو زمین و آسمان پر
 غرض ان تدابیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ہی سال کی امیدواری کے بعد دفعتاً بھڑکنا کے تحت کا
 ستارہ چمکائے ایک دن جہانگیر کی نظر جو اوپر پڑی تو دفعتاً اسکی وہ اگلی دلربا بیان یا دلائل
 اور وہ بھولے پن کی تصویریں آنکھوں میں پھر گئیں اور وہ عشق کا پودا جو دبا ہوا تھا یکنا گاہ
 کھل کر سر نکالا۔ وہ ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ اس نے یہ شعر پڑھ کر اس وعدہ کی یاد دلائی جو
 اڑ پنے کے ایام میں ہوا تھا ۵ کہہ کے دو بول ہم تو لارے ہیں ۶ تم ہمارے ہو ہم
 تمہارے ہیں۔ شہنشاہ جہانگیر۔ کیون مھر النساء اچھی ہو ۷ مھر النساء۔ حضور کی سلامتی کی دعا
 کرتی ہوں۔ جہانگیر۔ کس شغل میں گزرتی ہے۔ مھر النساء۔ ۵ شغل کیا خاک ملے جی کے
 بیلنے کے لئے ۶ دین بیٹے ہو کلیجہ میرا ملنے کے لئے۔ اور اسکے ساتھ اسکے آنسو جاری
 ہو گئے۔ جہانگیر پر بھی اب اسکا اثر پڑ گیا اسکو کچھ گلے سے لگایا۔ ساتھ ہی انکی آنکھوں میں
 ایک بجلی کووند گئی۔ اور ابرو باران کی طرح برس پڑی۔ پھر فوراً روتے روتے ہچک بندھ گئی
 ۵ نہ ہو گا ختم عمر خضر بھی کر ملگی مجھکو ۶ بہت ہی طویل قصہ ہے ترے ایام ہجران کا
 حضرات ناظرین یہ سامان بڑا ہی بے ذہب ہے۔ ایسے موقع میں عاشق و معشوق کے
 فیما بین جو راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہوں اسکو کون بیان کر سکے۔ مگر اس وجدانی
 حالت کو یہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنکو عمر بھر میں ایک آدھ بار ہی ایسا موقع نصیب ہوا ہو۔

۱۔ تراہرگز گریبانے نشد چاک و چہ دانی لذت و یواہلی را ۲۔ زابد لبا کام کر اپنا تو کیا با
 اسے دُشمنی کہتے ہیں کہ یہ نام کس پر لیا کا ہے۔ مختصر انیکہ مصر النسا کے طالع نے مدد کی
 جانبین سے فطرتی جذبات نے اپنے جلوے دکھائے۔ آخر شرع شریف کے موافق
 ایک روز جہانگیر سے عقد باندھ لیا گیا۔ شاہانہ جشن کے سامان کئے گئے۔ اول تو مصر النسا کو
 نور محل کا خطاب ملا۔ پھر نور جہان ہوئی اور آخر الامر نور جہان بادشاہ بن نور الدین جہانگیر کے
 پھلوین بیٹھ گئی۔ اب یہ لقب نور جہان بادشاہ بیگم محل کے جد و دین محمد و ہونے کے قابل
 نہیں رہا بلکہ مرضی الہی یوں واقع ہوئی تھی کہ شجاع نور نور جہان کی جہان گیر ہو جائے۔
 محل کے سارے بیگمات پر توفیق لیانا تو ایک طرف عنان سلطنت تک اسی کے ہاتھ
 میں ہو گئی اور سکھ پر بھی اوسے کا نام ثبت ہو گیا جس کا شہر یہ تھا ۳۔ حکم شاہ جہان گیر
 یافت صد زیور و بنام نور جہان بادشاہ بیگم زر۔ مہر کا سبح یہ تھا ۴۔ نور جہان گشت
 بفضل الہ و ہمد و سحر از جہان گیر شاہ۔ اسکا باپ مرزا غیاث اعتماد الدولہ ہو گیا اور بجائی
 آصف جاہ کے خطاب کے ساتھ قلدان وزارت عطا ہوا یہ خود جھمور کے من بیٹھ کر احکام
 جاری کرتی۔ بادشاہ پر اس نے وہ جادو چھونک دیا تھا کہ اسکی ایک دم کی جدائی سے بے قرار
 ہو جاتے۔ اگر دربار میں بیٹھتے تو پس پردہ نور جہان آپ کے پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے
 بیٹھی رہتی۔ اگر چہ شاہی محلات میں راجہ مان سنگھ کی بہن۔ راجہ جود پور کی بیٹی وغیرہ رانیان
 اور ہارانیان تھیں۔ مگر نور جہان بیگم کی روشن دماغی کے آگے سب کے چراغ
 بے نور اور بے فروغ ہو گئے تھے۔

نور جہان کے اختراعات نور جہان ایک عاقلہ اور لائق عورت ہونیکے علاوہ بڑی
 سلیقہ دار و اختراع پسند عورت تھی۔ چنانچہ ہندوستان کے طرح طرح کے زنانے لباس
 زیور۔ پوشاک۔ بناؤ سنگار۔ گھر کی آرائش میں نئے نئے ایجادیں کر گئی۔ اور وہ زیور
 ملبوسات جو اس وقت شاہی محلات میں جیسے جہانگیر میں۔ جیسے نیچے وغیرہ مروج ہیں

وہ سب اسی کے ایجاد و اختراع کئے ہوئے ہیں اور اوس نے اون بعد سے اور ہونا
 زیورون کا رواج موقوف کر دیا جو پہلے ستمل تھے اور اب بھی بعض ملکوں میں شیخ زادوں
 اور افغانوں کے یہاں ستمل ہیں۔ گھردن کی تعف پر چاندنی کا باندھنا اوس کی اختراع
 ہے۔ عطر گلاب جس کا عطر جہانگیری نام ہے اُس کے مان کی گل افشانی ہے۔ گویا مان بیچی
 اس شاہی گھر کا ہنسیک لے لیا تھا۔ اور نیز دوسرے کم قیمت عطر جس کے استعمال پر غربا کو
 دسترس ہو سکتی ہے اور نفیس مزاج غربا کے دماغ بھی مسطر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی نور جہان کی
 اور اوس کی مان کے اختراعات سے ہیں۔ چنانچہ جو وقت نور جہان کی مان نے عطر گلاب
 بنا کر جہانگیری کے نزدیک لایا تو جہانگیری نے اوس کو پسند فرمایا اور ایک موتیوں کی مالا جس کی قیمت تیس
 ہزار روپے تھی انعام دیا اور اوس عطر کا نام عطر جہانگیری رکھا۔ درحقیقت یہ ایک ایسا عطر
 جس کی خوشبو دوسرے عطر میں نہیں ہے۔ خانی خان مورخ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ
 عطر جہانگیری جو عہد ہوتا تھا جہانگیری کے شروع زمانے میں اسی روپیہ فی تولہ بکتا تھا ابھی
 آٹھ نو روپے تولہ ملتا ہے۔

بادلہ جو ایک قسم کا زرین پترا ہے نور جہان ہی کا اختراع کیا ہوا ہے۔ اس کی قسم علی کو
 اوس کے بادشاہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور قسم ادنیٰ کو جس سے پندرہ بیس روپے ہیں
 غریب دو لہا دو لہن کا لباس تیار ہوتا ہے اپنے نام سے موسوم کیا لینے اوس کا نور محل
 نام رکھا۔ اس کے سوا اوس نے امراء غربا کے لئے جو چیزیں ایجاد کی ہیں وہ بہت ہیں۔
 مختصر یہ کہ ہندوستان میں وہ چیزیں جسے لطف زندگی حاصل ہوتا ہے اکثر اس کی ایجاد
 کی ہوئی ہیں۔ ۵۰ مشق ہر روز ہے اون کو ستم تازہ کی ڈلقب اس واسطے لکھا ستم ایجاد
 نور جہان کا مذہب نور جہان ستمی کے شیعہ مذہب کی پابند تھی۔ اور چونکہ بادشاہ
 اور تمامی اہل دربار اہل سنت و جماعت تھے لہذا اوس کو ہمیشہ اپنے مذہب کو فروغ دینے کا
 خیال رہتا تھا اسی غرض سے بعض فضلاء ایران اہل تشیع کو بلوا کر دربار میں بلوایا

جنکی بعض ناگوار باتوں سے باوجود سخت تلمش کے شہنشاہ جہانگیر کبھی کبھی نور جہان کے بارے میں
 ہو جاتا تھا۔ نور جہان بڑی دل والی عورت تھی۔ ہر سال بہت سے غریب منلوں کو ولایت
 مکہ منسلک کر دیا جاتا تھا۔ نجف اشرف بایں کا خرچ دیا کرتی تھی۔ ہزار ہا یتیم لڑکیوں۔ بیوہ عورتوں کی اپنی
 سرکار سے جہیز اور خرچ دیکر شادیوں کر دیتی تھی۔

کفایت شکار بھی نور جہان اس فیاضی کے ساتھ بے حد کفایت شکار بھی تھی
 چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ بادشاہ کے ملاحظہ سے چند ہاتھی گزرے کہ جنہر نہایت اعلیٰ
 درجہ کی زربفت کی جھولین پڑی ہوئی تھیں۔ جہانگیر نے اونکو پسند کیا۔ اور خانساں کے
 پوچھا کہ ان جھولوں کے لئے زربفت کے کتنے تھان صرف ہوئے اور فی جھول کس قدر خرچ
 تیار ہوئی۔ خانساں نے کہا مددی کو اسکی خبر نہیں یہ جھولین محل میں تیار ہو کر آئیں۔ جہانگیر
 نے پھر نور جہان سے پوچھا کہ تم نے تو ان جھولوں کے لئے نہایت عمدہ زربفت کے تھان
 خرچ کر ڈالے۔ نور جہان نے کہا کہ میں نے کوئی تھان دان تو نہیں خرچ کیا۔ بلکہ یہ جھولین تو
 اُن زربفت کے تھیلوں سے تیار ہوئیں جنہیں امریکی عرضیاں موقوف آتی ہیں۔ جہانگیر
 دل میں اس کے سلیقے پر خوش تو ہوا مگر بظاہر کہا کہ نہیں نہیں خدا تعالیٰ نے جنہیں دولت
 دے رکھی ہے ہرگز انہیں اس قدر بخل نہ چاہئے۔ یہ تو غریبا کا حق تھا۔ نور جہان۔ بیشک
 اگر یہ تھیلیاں متفرق طور پر غریبا کو دیا جاتیں اسوقت بھی تو انکا کوئی مستعدہ فائدہ نہ ہوتا۔
 جب تک سب جمع کر کے کوئی خاص ضرورت کی چیز نہ بنائی جاسے۔ چونکہ ہاتھی بھی غریب
 جانور اور سرکار کی بے زبان رعایا ہیں لہذا ان کے لئے خلعتیں بنا دیں اب کے کسی
 اور کے لئے سہی۔

شجاعت یہ گھوڑے پر خوب سوار ہوتی تھی۔ خانی خان کا بیان ہے کہ عوام شہزادوں
 اور ہندوستان کی بیگمات نشان اندازی تیر و تفرنگ اور سواری کے کرتب سے ماہر
 رہا کرتی ہیں مگر نور جہان کو سو اسناد سے بے ذوقی تجربہ بند دق لگانے کا اہم تھا۔

کر مین وہ عجیب و غریب قوت تھی جس کے متورے سے استعمال سے آسانی اسکا ملکہ حاصل کر سکتی تھی۔ چنانچہ ایک روز جہان گیر مع نور جہان کے (جو ایک عنصر کی طرح بادشاہ جزائیں تنگ تھی) شکار کے لئے جنگل میں بڑا تھا۔ ایک روز انکے والوں نے شیر کو قرب بادشاہ کے پہونچا دیا تھا۔ مگر معلوم کچھ سفر کی تھکاوٹ اور بے خوابی کی وجہ سے آفت جہانگیر کی آنکھ لگ گئی۔ جب شیر بالکل قریب ہو گیا (اگر بادشاہ اسوقت بیدار ہو بھی سکتے یا جگا دے جاتے تو بھی بحالت اضطراب خدا جانے کیا کر سکتے) تو فوہ آنور جہان نے بندوق اپنے ہاتھ میں لی اور تاک کر ایسا نشانہ مارا کہ وہ اجل رسیدہ شیر ایک نیزہ بلند ہو کر گرڈا آتا ہوا دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ بادشاہ شیر کی غراہٹ اور بندوق کے دھڑکے سے چونک پڑے۔ دیکھا تو اپنی معشوق کے ہاتھ میں بندوق ہے اور سامنے شیر زخمی پڑا ہوا ہے۔ اس جرات و بہادری اور پھر اس خطرناک آفت سے اپنی جان بچنے کی خوشی میں بہادر نور جہان کو گلے سے لگایا اور بہت ہی احترام و عزت کی پھر قدرتی جو میں نور جہان کو اس خصوص میں الطاف شاہی حاصل کرنے کی تحریص ہوئی اور اسنے اپنی خدا داد قابلیت سے نشانہ لگانے میں ملکہ حاصل کیا اور امتحان کا موقع بھی بہت جلد آ گیا۔ چنانچہ ایک روز شہنشاہ مع حرم مخترم پھر شکار کے لئے تشریف فرما ہوئے تو جنگل میں چار اجل گرفتہ شیر و نکا پتا لگا۔ نور جہان نے بارگاہ سلطانی میں معروضہ کیا کہ ان شیروں پر مجھ کو مشق رانی کا موقع عنایت ہو۔ شہنشاہ نے تبسم آمیز اجازت دی۔
 امتحان ہو تو کھلے بواہوس کے جوہر پڑ سربکف میں یہ جو تودیت بستم شیر نہیں۔
 یہ آداب بجا لا کر یس ہو گئی کہ وہ شیر یکے بعد دیگرے شہنشاہ اور نور جہان کے روبرو گزرتے گئے مگر ماشاء اللہ۔ ہرن پاڑا تو کیا چکارا ہے۔ کوئی شیر بھی بادشاہ یکم کے نشانہ سے غالی نہ بچا۔ ایک ہی جانبر ہو سکا۔ کسی طرف نے اسوقت یہ شعر کہا اور دفعتاً تمام عالم میں مشہور ہو گیا۔ نور جہان گرہ بظاہر زنت و در صف مردان زن شیر انگن است

ہر چند کہ لوگ اس شعر کو "نور جہان گر یہ بظاہر زنت ہے در صف مروان زن شیر افکن" نور جہان کی تعریف کہتے ہیں۔ مگر بندہ ہرگز اسکا قائل نہیں۔ بلکہ یہ شعر اس کی عاصد اور دشمن کا ہو گا۔ اسکے کئی وجوہ ہیں۔ اول۔ جو لوگ کہ بادشاہ پسند ہوتے ہیں ہمیشہ اونکو یہ خیال رہتا ہے کہ الطاف شاہی روز بروز زیادہ ہوں۔ اور خاص کر ایسے تذکروں کے اثر انداز کرتے ہیں جو شاہوں کی طبیعت کو ناگوار معلوم ہوں۔ اور عام گفتگو میں بھی زیادہ تر احتیاط عمل میں لاتے ہیں کہ کوئی لفظ منہ سے ایسا نہ نکلے کہ کوئی واقعہ سابق کی طرف اشارہ ہو یا بادشاہ کے کسی عیب کی طرف دلالت کرے۔ مثلاً تیمور کے روبرو کوئی یہ نہیں کہہ سیکے گا کہ میرا گھوڑا لنگ کرتا ہے۔ سادات اللہ خان کے روبرو مولوی انشاء کے منہ سے لفظ انجب جو نکل گیا تو اسکی حیثیت ہی بگڑ گئی۔ دویم نور جہان ایسی ادا شناس درباردار عورت اپنے بادشاہ خاوند کے روبرو سابق کے ایک سپاہی خاوند کا نام بھی زبان پر لاسکتی تھی حالانکہ اسکی حالت سابقہ و حال موجودہ میں زمین و آسمان کا فرق تھا نور جہان کوئی ایسی بیودہ عورت نہ تھی کہ جس کے نسبت ہم ایسے پہلاٹا کا گمان بھی کر سکیں۔ بادشاہ کے روبرو شیر افکن کا نام لینا گویا شیر کے منہ کا نالہ ہو جانا تھا۔ یہ تو یاروں کی گھڑت ہے۔ کسی تاریخ میں بھی اسکا ذکر نہیں کہ یہ نور جہان کا شعر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ غرض اسکی بہادری اور خوش تدبیری کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ مہابت خان نے جب بادشاہ کو قید کر لیا تھا تو کس خوبصورتی سے بادشاہ کو قید سے چھوڑا چلا۔ جب اس کے تدابیر کارگر ہوئے نظر نہ آئے اپنی خوشی سے آپ قید میں بادشاہ کی رفاقت میں آگئی اور قید میں بیٹھے بیٹھے ایک ایسی تدبیر سوچ کر نکالی کہ بادشاہ کو قید سے نکال کر لے بھاگی۔ جب نیکو ام مہابت خان نے دیکھا کہ یہ دونوں آپ ہاتھ سے نکل گئے۔ اسوقت وہ بھاگ گیا اور دکن کو جا کر شاہ جہان مل گیا۔ یہ بھی اک رنگ ہر جاٹو کا طور سہی تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔

ہر شخص واقف ہے کہ بادشاہوں کی مصاحبت کس قدر نازک اور ہر وقت وبال جان ہو کر رہتی ہے۔ پس ہر شخص اپنی ذاتی یا قوتوں اور ادا شناسی جو ہر کے کام میں لانے سے وقتاً فوقتاً دہرا شاہی کے مغرین سے کم و زیادہ عزت افزائیوں کا مستحق ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر ان غر از اور نہیں کو حاصل ہوتا ہے جو ہمیشہ بادشاہ کو بننا سبقت اوقات خوش اور راضی کر سکے ہیں۔ نور جہان میں صالح حقیقی نے منجملہ اور صفات مقبولہ کے علمی قابلیت اور فہم و فراست بہت کوٹ کوٹ کر بہر دی تھی جسکو شاہ ذوالدار کہنا بجا نہ ہوگا۔ اسکو ایسے معزز خاوند اور چاہنے والے بادشاہ کو خوش کہنے کا سلیقہ بہت کچھ حاصل تھا۔ کوی فعل اسکا ناگوار خاطر مایوں نہیں ہوتا تھا۔ اسین وہ تہذیب و شائستگی تھی کہ ہر پہلو سے اسکو بادشاہ کے پہلو میں بٹھا رکھتی تھی۔ اسکی ہر ادا معشوقانہ پر بادشاہ خدا تھا۔ نور جہان تن تنہا متعدد خدمات شاہی انجام دلاتی تھی جو ہر ایک اپنی حیثیت میں نہایت نازک اور مشکل تھی۔ نور جہان بادشاہ کی دلفریب معشوقہ ہونیکو علاوہ خود وزیر و مشیر سلطانی۔ خود شہنشاہ و منظم۔ اور خود محاسب متہم تھی۔ اور ہر ان سب خدمتوں کے فرائض کو نہایت فہم و فراست کے ساتھ انجام دیتی تھی۔ حالانکہ آج اگر کوئی متہم صرف اپنے سر رشتہ کے فرائض متعلقہ کو انجام دیتا ہے تو اوسے پر اسکو بہت کچھ نازل ہوتا ہے۔ حاضر جوابی۔ اسکو حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی میں وہ ملکہ حاصل تھا جو کہ نہ شق استاد و کو ہونا چاہئے۔ چنانچہ ایک دن جہانگیر قبائے حریر پر تکتہ محل زیب گریبان کے ہوتھا۔ نور جہان نے اسکو دیکھتے ہی یہ شعر موزون کیا ۵ ترا تکتہ محل است بر لباس حریر پڑ شدہ است نظر خون منت گریبان گیر۔ ایک دفعہ ماہ رمضان کے ختم ہونے پر جو شوال کا چاند دیکھا تو بادشاہ نے یہ مصرع پڑایا ۶ ہلال عید براج فلک ہوید اشد۔ نور جہان اوسے وقت یہ مصرع لگا کر اسکو شعر بنا دیا ۷ کلید سیکہ گم گشتہ بود پید اشد۔ اور لطف اسکا ظاہر ہے کہ بادشاہ رمضان شریف کا ہمینہ ہر برجست ماہ مبارک شہاب کو ماتھے میں لگا تھا۔ ایک بار آسمان پر زو زنب یعنی ودا رستارہ نظر پڑا۔ بادشاہ نے نور جہان کو فرمایش کی کہ

اس موقع پر کوئی شعر کہو۔ نور جہان نے اوس وقت یہ شعر موزون کیا **سارہ نیت**
بدین طول سدا آردہ **ڈ** ملک بہ شافری شاہ پر برآوردہ۔

نور جہان ذی کمال شعر کی بڑی قدردان تھی۔ مرزا صدی ایک نامی شاعر اوسیدہ اور دہلی
ہو کر اوسی کے باغ کے متصل ایک کوشے پر آڑا تھا اتفاقاً نور جہان کی سواری اس کے سامنے سے گزری اور
اسکو خبر نہ تھی کہ یہ نور جہان یکم ہے۔ شاعر آزاد تو ہوتے ہیں اور ان کی آتی ہوئی طبیعت کو کتنی بھی نہیں
اسکی سواری دیکھتے ہی نادانستہ یہ شعر پڑھا **س** برقع برج افگندہ بردمانہ باغش و نامت
گل بیخہ آید بہ دماغش۔ نور جہان اسکی نازک دماغی پر پھڑک گئی اور دریافت کر آیا کہ گستاخ
کون ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک نو وارد سخن کا دیوتا ہے۔ جب اسکی لیاقت و کمال کا حال
معلوم ہوا تو اوسنی وقت پانسو روپیہ نقد اور ایک دو شاہ زرین اس شعر کے صلے میں دیا گیا۔
مرزا صدی اسکی قدردانی اور اپنی نادانستہ گستاخی کے سبب بہت نامدوم اور منفعل ہوا۔
غرض اسکو نور جہان نے شعراے دربار شاہی میں بھی داخل کیا۔ آسمان اللہ کیا قدردان
لوگ تھے۔ زیادہ تر عجب تو اس امر کا ہے کہ اوس زمانے میں ایک عورت ذات اس درجہ
فدا سے اہل کمال تھی اور آج جنس فکورین کوئی واقعی قدردان نظر نہیں آتا۔

س رکھہ دون ابھی میں منہہ سے کلچہ نکال کے پڑا قدردان کھان رسے صاحب
کمال کے۔ سلیم شاعر کی ملازمت میں شاید کوئی تزلزل واقع ہوا تھا تو اوسنے یہ شعر
لکھ کر پیش کیا **س** ز شرم آب شدم آب راشتہ نیست **ڈ** بچہ تم کہ مراد نگار چوں
بشکت۔ نور جہان نے جب اسکو ملاحظہ کیا ہنس کر یہ جواب دیا۔ کہ این ہم نمی دانی کہ
آب بخ بستہ بشکتہ او پیراوسکی تخواہ جاری کردی۔ ایک بار کا واقعہ۔ کہتے ہیں کہ جہانگیر
اسپر خا ہو گیا اور کہا اچھا یکم صاحب کل دیکھہ یا جائیگا اور یاد رکھنا کہ یہ تمکو اور ہوگی اور۔
اچھا سر ہوگا۔ غرض وہ سرے دن جہان گیر جو محل میں اس کے قریب ہو کر گزارا تو یہ
غضبت زرین میں اپنے سر کے بال دہو رہی تھی۔ جہانگیر کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی

ہاتھ جوڑ کر کہا "کل آپ تھے فرماتے تھے شیر ہے اور میں ہوں ڈر پھر پشت کی طرف اشارہ کر کے سرجھکا کر "یہ پشت ہے یہ سر ہے تقصیر ہے اور میں ہوں۔ جہانگیر نے ہنس کر کہا کہ اسے ظالم قاتل تجھ کو کیا کوئی قتل کر گیا تو خود قتل کرتی ہے۔ پھر نور جہان اپنی خطا کے صاف ہونے کی نذر پیش کی جسکو بادشاہ نے قبولیت کا خلعت بخشا۔

نور جہان کی شاعری نور جہان بادشاہ بیکم کو موزونیت طبع کا بہت بڑا حصہ دے کر عطا کیا تھا۔ اب شاعری کی طرف جو اس کا رجحان ہوا۔ تو محض یہ امداد فیاض سخن افزین تھوڑے عرصہ میں وہ ملکہ حاصل کیا کہ مشہور اساتذہ بھی باوجود اپنے اپنے شوق کہن کے اس کا کلام سن کر کان پکڑنے لگے۔ اس کا تخلص نور تھا۔ جو ہر طرح موزون تھا۔ اشعار نہایت پاکیزہ اور شوخی آمیز مقتضائے وقت و صحبت ہوتے تھے۔ ہم یہاں پر چند متفرق اشعار بطور نمونہ کے لکھتے ہیں۔ اور وہ اشعار نظر انداز کرتے ہیں جو ناظرین کی تہذیب متانت سے دور سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اُنکے لئے ہم نور جہان کو بدنام نہیں کر سکتے کیونکہ خلوت خاص میں مخفی بالطبع ہونا اور مذاکرات دلچسپ کا تذکرہ کرنا ہر ایک ملک کے مہذب ترین اشخاص کا بھی بالطبع کام ہے۔ معمولی دنیا دار تو درکنار زایدین خشک مزاج بھی ۵ چون خلوت میر وند آن کا ردیگر میکند۔ کی مثل شہور ہے۔ یہ کوئی عیب نہیں۔ بلکہ جوانی کے دلولے اور بے اختیاری امور ہیں۔ عالم جوانی چنانکہ افتد والی۔

نور جہان کے متفرق اشعار

عشق چنان گذشت تم را کہ آب شد	آن جسم خاک سرمہ چشم باب شد
کشف و غیظ اگر از نسیم گلزار است	کلید قفل دل ما تبسم یار است
نہ گل شناسد و نہ رنگ بونہ عارض زلف	دل کسی کہ بنا زواد اگر قنار است
و آن صورت زہم ناشدہ سیرت معلوم	بندہ عشق و بغا دوسہ ملت معلوم
زادہ ہول قیامت مغن در دل من	ہول حیران گذر اندیم و قیامت معلوم

سکب مروارید بر فرق سرش مئی کجیت
تشنگان شوق را جویت از آب حیات
تیر آف خالش با سہ نہان است
مترس از بلا کہ شب در میان است
ہم چشم باز اسے نظر بازی تو شد
آئینہ را جلاسے وطن سیکنم ما۔
ہنوز آن مفل خندیدن نہ اند
لگہ وز دیدن و دیدن نہ اند
دقیقہ با سہ معاش در سو او خرو
چو در سیما ہی شب روشنی پر دین است
سماں تناسے من خاک نشین است
این خانہ بر انداز کہ در خانہ زین است
آب از گرمی این فصل بر آوردہ نہان
نیت خوارہ کہ مینی بسر آب روان

نور جہان کا خاتمہ نور جہان کی ایک بیٹی شیر افکن خان سے جو تھی بادشاہ نے اسکو بیوگی
طرح پرورش کی تھی اور اس کے جوان ہونے کے بعد انکی شادی اپنے چھوٹے بیٹے شہر یار
سے کر دی۔ اب نور جہان کو یہ فکر ہوا کہ جہانگیر اپنے کردار کی وجہ سے ضعیف و ناتوان ہو رہا
اس کے بعد تاج شہر یاری کسی طرح شہر یار کے سر پر رکھا جائے۔ اسلئے اپنے
بھائی سے بھی اسکو اطمینان حاصل نہ رہا۔ اور خرم کے طرف سے بادشاہ کے ایسے کان
بھرے کہ اسکا ملک شہر یار کو ملیگا۔ یہاں تک کہ باپ بیٹوں میں سخت مخالفتیں ہو گئیں۔ ان میں
بادشاہ کی طرف سے مہابت خان نے بھی خوب ہی وفاداری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ اب اس
اسعد زور پکڑا کہ وہ نور جہان اور آصف جاہ دونوں کے ہاتھوں سے نکلنے لگا۔ آخر مہابت
خان کو حکم شاہی پہونچا کہ اپنے آپ کو دربار میں حاضر کرے اور حساب و کتاب سمجھائے۔ ناچار
مہابت خان آیا مگر یہ ارادہ نکلوا ہی پانچہڑا دیا چوت ساتھ ایسے لالہ کہ جو اسکی حیات میں کبھی
بادشاہوں کو لازم ہے کہ ہمیشہ شرفا کی عزت افزائی کا خیال فرمایا کر مئی اسلئے کہ اشراف سے خطائیں
ہوتی اور کم ذات میں وفائیں ہوتی۔ چنانچہ مہابت خان کی نکلوا ہی مصداق اس دعوے کی ہو
کہ اس نے موقع دیکھا کہ جب بادشاہ حرم سہرا میں تہارہ گئے اپنے راجپوتوں کے ساتھ حرم سہرا کو
آن کر گھیر لیا۔ جب حرم سہرا میں ایک غل چکیا تو خود بادشاہ گھبرا کر باہر نکل آئے اور کہا کہ کولم کیا کرتا

کیا بادشاہی الطاف و روز افزون عزت افزائیوں کا یہی معاوضہ ہے؟ مہابت خان - مہتہ جوڑ کر عرض کیا۔
 تمام اپنے دشمنوں سے حضور کی پناہ میں آیا ہے۔ بعد اس کے تین دفعہ تصدیق ہوا۔ اور فریشتہ
 بادشاہ کی پالکی اٹھو کر اپنے خیمہ میں لیجا کر قید کر لیا۔ نور جہان بیگم اس کے قابو میں نہ آئی۔ دریا کے
 پار نکل گئی اور وہاں جا کر بجائی کے تمام سرداروں کو بہت لغت ملاست کی اور فوج کو مقابلہ کے لڑنے
 تیار کیا۔ یہاں بادشاہ کو بیگم یاد آئیں مگر کیا کرتے۔ مجبور تھے۔ اس کے بعد نور جہان کی لڑائی کا قصہ
 تو مشہور ہے۔ ادھر مہابت خان نکو رام بادشاہ کو بناوٹی سجدے کر کے بادشاہ کے تصدیق ہوتا تھا
 مگر جہان پناہ کو قیدی کر رکھا تھا۔ اور اسی حالت میں سخت مجبور کر کے نور جہان کے قتل کا حکم بھی
 لکھوایا۔ ناظرین خیال فرمائیں کہ بادشاہ کو نور جہان سے کقدر عشق تھا اور اس نکو رام نے
 جو کام بادشاہ سے لیا ہے تو اس وقت ان کے دل پر کیا قیامت گزری نہ ہوگی۔ نور جہان نے
 جب یہ حکم سنا تو نہایت بے پروائی سے کہا کہ خیر اگر میرے مالک کا یہی حکم ہے تو ایسا مرا میرے
 لئے ہزار جینے سے بہتر ہے۔ مگر مجھے ایک دفعہ اپنے آقا کا دیدار دکھا دو۔ نکو رام مہابت خان
 کو یہ کیا خبر کہ ”تدبیر کند بندہ۔ تقدیر زند خندہ۔“ بمسئل اجازت دی۔ مگر اس شر پارہ کو ملاقات اپنے
 سامنے ہو۔ غرض نور جہان ہاتھوں میں سونے کی تنکڑیاں پانویں بیڑیاں پہنے ہوئے اس
 میت سے بادشاہ کے روبرو آن کر کھڑی ہو گئی۔ کہ گویا یلوسی اور مظلومیت کا جسم نوٹو بادشاہ
 آنکھوں کے پردوں پہ پہنچ کر دکھا دیا کہ ۵۔ بزم عشق تو ام می کشد و غوغا مست و تونیر زیر
 بام کہ خوش تماشا میت۔ اسکی صورت دیکھنا ہی تھا کہ بادشاہ کے آنکھوں سے دیراؤ منڈک
 اور کمال عجز و الحاح کے ساتھ نہک حرام مہابت خان کی منتیں کر کے جان بخشی کر ائی اور تمام
 لشکر کابل کو روانہ ہوا۔ بیگم نے اندر ہی اندر پھر اپنے بندوبست کئے اور بادشاہ کو قید سے چڑھا
 مہابت کا منہ کالا ہوا۔ بادشاہ چند روز کے بعد کشمیر پہنچے۔ مگر سد دی کے سبب پُرانے
 دسے کے مرض نے زور کیا۔ ایک روز سر شام مار گئی کے مقام پر شکار کیلئے بیٹھے۔ قراول
 اور وہاں کے پہاڑی زمیندار ہرن وغیرہ شکاروں کو گھیر لائے تھے۔ سامنے ایک پھاڑی دلدھڑی

جب ہرن اوس کی چوٹی پر آتا تو بادشاہ نشانہ لگاتے تھے کہ شکار گولی کھا کر قلا بازیاں کھاتا نیچے جا پڑتا۔ ایک اہل رسیدہ لکھاپنے قسمت کا نوشتہ پورا کرنے کے لئے ایک ہرن کو گھیر کر سامنے لے آیا مگر چونکہ ہرن ٹھیک زد پر نہ تھا یہ پچار خدمت کے جوش میں اور آگے پڑا کہ اس کو روک کر پورے زد پر لائے۔ اتفاقاً اس کا پانون پسسل گیا۔ اولٹ کر گرنا تھا کہ سہارے کے لئے پاس جو ایک چھوٹا سا درخت اوگا ہوا تھا اس پر ماتھ مارا۔ وہ بھی اس کے نیچے کا سہارا نہ ہوا۔ مگر ٹوٹ گیا۔ پھر تو یہ لڑکا خود شکار کی طرح قلا بازیاں کھاتا ماتھ پانون مارنا پہاڑ کی تین تین پہنچ گیا۔ اور وہاں اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔ بس یہ واقعہ بادشاہ کے لئے سوت کا بہانہ ہوا۔ پہلو میں دل پہرے لگا گھبرا کر اوشھ کہہ رہے ہوئے اور حرم سرا میں آئے۔ اور اسی وقت سے دم بہ دم طبیعت گہڑنے لگی۔ یہاں تک کہ تیسرے دن اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ تاج پج رطبت یہ ہوئی۔

جہان گیر از جہان رفت ————— جہان گیر از جہان غم سفر کرد

۱۰ ۳۶ ۱۰ ۳۶

نور جہان کی جہان گیری کا دن بے نور ہو گیا۔ بہت روئی پیٹی۔ سنہہ نوچا۔ بال کہسوٹے۔ اور جس روز سیاہ کا اندیشہ اوسکو برسوں سے تھا اور جس کے بندوبست میں خود مصروف تھی وہ ٹل نہ سکا۔ اپنے بہائی آصف کو بلا بھیجا کہ شہر یار کے لئے کچھ تدبیر کرو۔ مگر۔ اس وقت اس نے بہن کو نظر بند کر لیا۔ اور سب کی آمد و رفت بند کر دی۔ آخر رضا بقضا بیٹھ گئی۔ سارا لباس فاخرہ اور زیورات و جوہرات سب اتار ڈالے۔ زینت و آرائش کو نام تک دل سے بھلا دیا۔ اور گوشہ عافیت اختیار کیا۔ شاہ جہان نے۔ تخت نشینی کے بعد اس کے لئے پچیس لاکھ روپیہ کی جاگیر مقرر کر دی اور بہت کچھ عزت و حرمت کرتا رہا مگر نور جہان کی آنکھوں میں جہان گیر کے سبب سے جہان سیاہ تھا۔ لہذا جب تک بقیہ دن اپنی زندگی کے کاٹے وہ سوگ ہی سوگ میں کاٹے۔ آخر بارہ برس زندگی بسر کر کے عالم فانی سے کوچ کیا۔ اور اپنے قدر دان عاشق جہان گیر کے

یہ یونین دفن ہوئی۔ چنانچہ یہ ٹوٹا پھوٹا گنبد شہر لاہور کے پاس اب بھی موجود ہے۔
 پہلے یہ ہندی قایم خان کا باغ مشہور تھا۔ اب جہانگیر دُور جہان کا مقبرہ مشہور ہے۔
 اوتھ گئے وہ لوگ جن کی یہ کہانی رہ گئی ہے۔ یادگار اون کی مگر افسانہ خوانی رہ گئی
 اس کی قبر پر یہ شعروہ آگین کندہ ہے۔
 ہر مزارِ ماغریبان نے چراسنے نہ گلے ڈاسنے پر پروانہ یابی نے صدائے بے

تمت بالخص
 تایخ از جناب میرزا علی صائب کونخلص

ہمارے حیدر آباد وکن کے ایک شہور بالکمال مورخ نے جو مند وکن میں
 اس فن میں مسلم الثبوت استاد ہانے گئے ہیں ازراہ کرم و قدر افزائی
 اس تالیف کی تایخ یوں تحریر فرمائی ہے۔

حضرت عفو سید ابراہیم
 خوش برآمد زجملہ طبعش -
 خوب تحریر کرد تذکرہ
 زور قسم زور سال تالیفش
 لاکلام است فخر اہل زبان
 این عروسانہ قصہ جلوہ کنان
 بصر افزا سے چشم پیر و جوان
 ذکر و احوال پاک نور جہان

ایضاً اردو

تذکرہ نایاب و خوش اسلوب و عمدہ بے نظیر
 محسنیت سے جناب عفو کے جب چپ کیا
 مصرعہ مرغوب باطن زور سے یوں لکھ دیا
 نسخہ افسانہ نور جہان بیگم چپ کیا

